رجسٹرڈ نمبر جی ۳۶۳

فون دفتر ۶۱۱۱۹۶ — فون مکان ۶۱۱۳۶۹

العلم

سہ ماہی کراچی

سالانہ قیمت بارہ ۱۲ روپے۔ فی پرچہ تین ۳ روپے

جلد ۲۳ | اپریل تا جون ۱۹۷۴ء | شمارہ ۲

فہرست مضامین

(ایجوکیشنل پریس کراچی)

———— ... ————

مولانا سید سلیمان اشرف صاحبؒ

و

نواب صدر یار جنگ مولانا حبیب الرحمٰن خاں شروانی کے تعلقات

از جناب حافظ غلام غوث صاحب[1]

موجودہ دور ابتلا میں قابلِ قدر ہیں وہ ہستیاں جو اپنے ذاتی مشاغل اور گوناگوں مصروفیات کے باوجود علمی و ادبی ذوق کی تکمیل کے لئے وقت نکال لیں اور تصنیفات و تالیفات کے ذریعہ ملک و ملت کی خدمت کو اپنا فرضِ منصبی سمجھیں۔ مرحومین کی زندگی کے حالات قلمبند کریں اور ان کے کارنامۂ حیات کو اجاگر کرکے موجودہ و آئندہ آنے والی نسلوں کو مستفید اور مستفیض ہونے کے مواقع فراہم کریں۔

ایسے ہی حضرات میں سید الطاف علی صاحب بریلوی کا نام بھی عزت و احترام سے نمایاں جگہ لئے ہوئے ہے سید صاحب نے اپنی زندگی کو انھیں کاموں کے لئے وقف کر دیا ہے۔ ان کی تصنیفات اور تالیفات معلومات کا ذخیرہ ہیں جو ذی علم حضرات اور نوجوان نسلوں کے لئے مشعلِ راہ ہیں۔ آجکل موصوف نواب صدر یار جنگ بہادر مولانا حبیب الرحمٰن خاں صاحب شروانی مرحوم رئیس حبیب گنج (یوپی انڈیا) کے حالاتِ زندگی فراہم کرنے اور انھیں جلد سے جلد کتابی شکل میں شائع کرنے میں مصروف ہیں۔ اسی سلسلے میں سید صاحب نے مجھ سے بھی فرمائش کی ہے کہ میں اپنی یادداشت سے شروانی صاحب مرحوم مولانا سید سلیمان اشرف صاحب مرحوم کے باہمی تعلقات کے متعلق اپنے مشاہدات سپرد قلم کروں۔

مولانا سید سلیمان اشرف صاحبؒ اور نواب صاحب مرحوم کے باہمی تعلقات پر روشنی ڈالنے سے قبل جس سے ان دونوں بزرگوں کی عظمت و بزرگی۔ اتحادِ باہمی۔ عالی ظرفی اور ہم آہنگی کا صحیح اندازہ ہو۔ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ تمہیداً مولانا سید سلیمان اشرف صاحب کا کچھ ذکرِ خیر کیا جائے۔

مولانا سید سلیمان اشرف صاحبؒ صوبۂ بہار کے ایک علمی خانوادہ کے فرد فرید تھے۔ آپ نے جونپور کے مدرسۂ حنفیہ میں تعلیم حاصل کی جہاں حافظ مولوی ہدایت اللہ خاں صاحب رامپوری (جو میرے دادا بھی تھے اور نانا بھی) مدرس تھے۔ جب ان کا وصال ہو گیا تو مولانا کا جونپور سے دل اچاٹ ہو گیا اسی زمانے میں ایم اے او کالج علی گڑھ میں دینیات کے لئے ایک لیکچرار کی ضرورت کا اشتہار نکلا۔ طلبائے جونپور نے نواب وقار الملک (مشتاق حسین صاحب) سے جو کالج کے سیکریٹری تھے درخواست کی کہ اس جگہ پر اگر مولانا کا تقرر کر لیا جائے تو مناسب رہے گا۔ نواب صاحب نے

---

[1] حافظ صاحب، مرزا جمیل اختر ایم اے لیکچرار شعبۂ اردو کراچی یونیورسٹی کے عمِ محترم ہیں۔

دینیات کی کمیٹی کے ارکان سے مشورہ کیا اور شروانی صاحب کو جو اس کمیٹی کے سیکریٹری تھے ہدایت فرمائی کہ انٹرویو کے لئے مولانا سید سلیمان اشرف صاحب کو بھی بلا لیا جائے۔ سید علی جواد صاحب کے ذریعہ جو اس زمانے میں جونپور کے مدرسہ میں تعلیم پا رہے تھے مولانا کو اطلاع پہونچائی گئی۔ مولانا صاحب مرحوم سے رزاق بخش صاحب قادری بدایونی کے بڑے بھائی ستار بخش صاحب کے بہت گہرے مراسم تھے اور مولانا جب بھی علیگڑھ تشریف لاتے انھیں کے یہاں قیام فرماتے چنانچہ مولانا اطلاع ملتے ہی علیگڈھ آئے اور کمیٹی کے سامنے پیش ہوئے۔ کمیٹی کے ممبران نے ان کا انتخاب کیا لیکن تحریری لیاقت کا امتحان لینا ضروری سمجھا چنانچہ نواب حبیب الرحمن خاں صاحب شروانی کے ذریعہ مولانا سے کہا گیا کہ وہ "معجزہ" پر ایک مضمون قلمبند فرمائیں اور اس سلسلے میں اگر کتابوں سے استفادہ کی ضرورت ہو تو حبیب گنج تشریف لے جائیں اور وہاں کے کتب خانے سے معلومات حاصل کریں۔ مولانا نے برجستہ جواب دیا کہ مجھے بحمداللہ کسی کتاب کے مطالعہ کی ضرورت نہیں صرف کاغذ اور قلم دوات فراہم کر دیا جائے چنانچہ یہ چیزیں ان کے حوالے کر دی گئیں اور مولانا نے نماز عشاء کے بعد سے صبح کی نماز تک ایک ہی نشست میں بائیس فل اسکیپ کاغذ پر "معجزہ" پر مفصل و مدلل اور مکمل مضمون تحریر کر کے شروانی صاحب کی خدمت میں پیش کر دیا جس کے مطالعہ کے بعد نہ صرف ارکان کمیٹی متاثر ہوئے بلکہ شروانی صاحب پر مولانا کی علمی لیاقت کا سکہ بیٹھ گیا اور انھوں نے نواب وقار الملک صاحب سے پر زور الفاظ میں سفارش کی کہ مولانا کا فوراً تقرر کر لیا جائے۔ لیکن نواب صاحب نے بہ نظر احتیاط فرمایا کہ مولانا کی خطابت کا اور اندازہ کر لیا جائے، چنانچہ کالج کی جامع مسجد میں جو موجودہ شکل میں نہ تھی بعد نماز جمعہ مولانا سے کہا گیا کہ "توحید" پر تقریر فرمائیں۔ اس نماز میں جملہ ارکین دینیات کمیٹی شروانی صاحب۔ اور نواب مشتاق حسین صاحب سب ہی نے شرکت فرمائی۔ مولانا نے پورے تین گھنٹے اس انداز سے تقریر کی کہ پرستاران وحدت جھوم جھوم گئے اور سب ہی کو یہ تقریر پسند آئی اور اسی دن مولانا کا پچاس روپے ماہانہ پر تقرر کر دیا گیا اور رہنے کے لئے آدم جی پیر بھائی کی منزل زیریں تجویز ہوئی۔ دوسرے ہی دن شام کے چار بجے رزاق بخش قادری صاحب اپنی گاڑی میں مولانا کو ممتاز ہاؤس کے سامنے والی مذکورہ عمارت میں پہونچا گئے جہاں مولانا کا آخری دم تک قیام رہا اور اسی میں چہارشنبہ ۵ ربیع الاولیٰ ۱۳۵۸ھ ہجری مطابق ۱۹۳۹ء کو آفتاب علم مشرق اور ماہتاب علم دین غروب ہو گیا اور شام کے چار ہی بجے مجموعۂ کمالات اور منبع فضائل کا جنازہ کمرے سے باہر آیا۔

گذرے ہوئے زمانے کی یاد آ گئی مجھے
ماضی نے جا کے دور سے آواز دی مجھے

میرا اور مولانا کا نہ خونی رشتہ تھا نہ وطنی نسبت لیکن میرے دادا سے درس لینے کی وجہ سے اپنی عالی ظرفی اور استاد کے احترام کا انھوں نے اس طرح مظاہرہ فرمایا کہ مجھے رامپور سے فوراً اپنے پاس بلا لیا اور تا دم آخر اپنے سے جدا نہ ہونے دیا۔ ان کی شفقتیں اور عنایتیں مجھے عمر بھر یاد رہیں گی اور میں ایسی شفیق بزرگ ہستی کی یاد میں آنسو بہاتا رہوں گا۔ مولانا کا نورانی چہرہ اور آدم جی پیر بھائی منزل کا وہ چبوترہ اس وقت بھی میری نگاہوں میں پھر رہا ہے۔ مولانا صاحب مرحوم خوش خوراک خوش پوشاک۔ باوضع اور متواضع انسان تھے اس پر نواب حبیب الرحمن خاں صاحب شروانی کی تشریف آوری نے چبوترہ کی مخصوص نشست کو بہت اہمیت دیدی۔ شروانی صاحب مرحوم علم و ادب میں ایک نمایاں حیثیت کے مالک تھے۔ ذی وقار۔ بردبار اور سمجھدار ہوتے ہوئے علم و ادب کے شیدائیوں پر فریفتہ ہو جاتے، یہی وجہ تھی کہ وہ مولانا کے یہاں

پابندی کے ساتھ روزانہ بعد نمازِ عصر تشریف لاتے اور مغرب کی نماز کے بعد واپس جاتے مختلف موضوعات پر گفتگو ہوتی جن سے مجھے بھی مستفید ہونے کا موقع ملتا۔ شرکائے مجلس میں مولوی مقتدیٰ خاں شروانی مولوی کرام اللہ خاں ندوی۔ ڈپٹی سید زین الدین۔ حاجی ابو الحسن۔ مولوی عبد الحق "بابائے اُردو" مولانا عبد الحق بغدادی۔ مولوی احتشام الدین، مولوی سید بدر الدین صاحبان موجود ہوتے کبھی کبھی حاجی صالح خاں شروانی آجاتے۔ افسوس اب ان میں سے کوئی حیات نہیں۔ اب نہ شمع رہی نہ پروانے رہے۔

مجلس میں مذہبی، علمی، ادبی، شعر و شاعری۔ تاریخ اسلام۔ واقعات صحابۂ کرام اور اولیائے عظام پر گفتگو ہوتی۔ سیاست سے حتی الامکان گریز کیا جاتا لیکن تاریخ کی روشنی میں حالاتِ حاضرہ پر تبصرہ ضرور ہوتا اور وہ بھی اس طرح کہ کسی کے مزاج کے خلاف نہ ہوتا۔ اکثر پھکڑ بازی بھی ہوجاتی۔ زین الدین صاحب اور مولوی عبد الحق "بابائے اُردو" میں خوب نوک جھونک ہوتی اور جملہ حاضرین لطف اندوز ہوتے شروانی صاحب کے ہمراہ اُن کے مصاحب خاص ملا احمد صاحب بھی آتے۔ چائے کا دور چلتا اور مولانا کا ملازم خاص جماسب کو فنجان میں چائے پیش کرتا لیکن اُسے حکم دیا جاتا کہ ملاجی کو بڑے پیالے (بادیے) میں چائے دے ازراہِ تفنن ملاجی کو مجبور کیا جاتا کہ وہ پورا پیالہ ختم کریں۔ ملاجی کا انکار اور حاضرین مجلس کا اصرار دیکھنے سے تعلق رکھتا تھا بالآخر انھیں مجبور ہو کر بہ جبر و اکراہ پیالے کی ساری چائے نوش کرنا پڑتی جو حاضرین کی دلچسپی کا باعث بن جاتی۔ بعدہٗ مجھے آواز دی جاتی کہ "چھُن" (مولانا مجھے اسی نام سے پکارا کرتے تھے) پان تو بناؤ اور سب کو پیش کرو۔ شروانی صاحب اور مولانا صاحب دونوں بہت ہی مختصر گفتگو فرماتے لیکن باتوں ہی باتوں میں ایسی پتے کی بات کہہ جاتے کہ مخاطب محوِ حیرت ہوجاتا۔ مولانا کے ہزاروں واقعات میں سے چند کا اظہار کرتا ہوں جن سے اُن کی بذلہ سنجی کا انداز ہوجائے گا۔ یونیورسٹی میں ایک وقت ایسا بھی آیا جبکہ تحقیقاتی کمیشن بٹھایا گیا اور نتیجے میں کسی کی تنزلی کسی کی علیحدگی اور کسی کی تنخواہ میں کمی کے احکامات نافذ ہونے لگے، مولانا بھی نظروں میں کھٹک رہے تھے اور خیال تھا کہ وہ اس طوفان کی زد میں آجائیں گے رشید احمد صاحب صدیقی جو مولانا سے بیحد عقیدت اور اُنسیت رکھتے تھے پریشان تھے اور ایک روز کہہ ہی بیٹھے کہ مولانا اب کیا ہوگا۔ جواب میں فرمایا ہوگا کیا وہی ہوگا جو قلمِ ازل نے لکھ دیا ہے۔ رشید تمہاری نگاہ اسباب پر ہے اور میری نظر مسبب الاسباب پر۔ طوفان ختم ہوا مولانا اپنی جگہ پر کوہِ وقار بنے رہے اور اُن کا بال بھی بیکا نہ ہوا۔

ایک مرتبہ رشید احمد صدیقی صاحب سائیکل پر سوار ممتاز ہاؤس کے سامنے سے گزر رہے تھے اور مولانا آدم جی منزل کے بیضاوی چبوترہ پر چہل قدمی فرما رہے تھے۔ رشید صاحب کو دیکھتے ہی فرمایا کہو تمہارے یار کا کیا حال ہے (یہ اشارہ تھا ڈاکٹر ذاکر حسین خاں صاحب کی طرف جو جامعہ ملیہ دہلی سے آئے ہوئے رشید صاحب کے یہاں ٹھیرے ہوئے تھے اور آنجہانی گاندھی جی کے ایماء پر واردھا اسکیم کی تیاری میں مصروف تھے) رشید صاحب نے جواباً عرض کیا کہ آجکل اُن کی صحت خراب ہے۔ مولانا مرحوم نے برجستہ فرمایا یہ کیوں نہیں کہتے کہ صحبت خراب ہے۔ اللہ اللہ ایک نقطے کے اضافے سے بات کہاں سے کہاں پہونچا دی۔

اسی طرح ایک دن مجلس میں نواب صدر یار جنگ بہادر۔ حضرت مولانا مفتی لطف اللہ صاحب مرحوم کی علمی خدمات پر گفتگو فرما رہے تھے کہ مولوی سید بدر الدین صاحب نے بھی مفتی صاحب کے کارناموں کے بارے میں کچھ کہنا چاہا تو مولانا نے فوراً بس بس رہنے دیجئے۔ آپ تو صرف اُن کی علمیت کے مداح ہیں میں تو ان کی کرامت کا بھی قائل ہوں کہ انھوں نے

آپ کو پڑھا دیا۔

مرزا ابراہیم بیگ صاحب اپنے اخبار سرگذشت میں ہر ہفتہ "نقشِ سلیمانی" کے عنوان سے ایک مضمون لکھتے جس میں مولانا پر خوب لے دے کی جاتی مولانا کے معتقدین میں سے، ایک صاحب نے مولانا سے اجازت چاہی کہ اس کا جواب دیا جائے مگر مولانا نے منع فرمایا اور کہا کہ تلوار کی جنگ ہو یا قلم کی بہادروں سے لڑی جاتی ہے ہیجڑوں سے نہیں۔ یہ خبر مرزا صاحب تک کسی نے پہونچا دی اس کے بعد سے "نقشِ سلیمانی" ہمیشہ کے لئے ختم ہو گیا۔

مولانا صاحب علم کی وقعت خود بھی کرتے تھے اور دوسروں کو بھی اُس کی عزت کرنے کیلئے کہتے تھے وہ کسی پارٹی میں شریک نہ ہوتے کسی کی آمد پر خیر مقدم کے لئے نہ جاتے، اُن میں خودی نہ تھی لیکن وہ خود داری کو ہمیشہ پیشِ نظر رکھتے یہی وجہ تھی کہ بڑے بڑے آدمی اُن سے ملنے اُن ہی کی خدمت میں حاضر ہوتے نواب بہادر سر محمد مزمل اللہ خاں صاحب جب بھی بھیکم پور سے علیگڑھ آتے تو مولانا سے ملاقات کے لئے ضرور آتے اور جب واپس جاتے تو مولانا سے مل کر جاتے۔ ڈاکٹر سید ضیاء الدین احمد کو جب بھی کوئی مشکل پیش آتی وہ مولانا سے آکر مشورہ کرتے اور اُس پر عمل کرکے پریشانی سے نجات پاتے۔

شروانی صاحب مولانا سے انتہائی محبت اور خلوص سے ملتے اِن کے لئے حبیب گنج سے آم اور خربوزے تحفتاً بھیجتے نواب صاحب علم دوست تھے اور اُن کی نگاہ میں شخصیت کو دخل نہ تھا اُن کے تعلقات بیک وقت مولانا ابو الکلام آزاد سے بھی تھے اور قائد اعظم محمد علی جناح سے بھی۔ ان دونوں میں سے جب بھی کوئی علیگڑھ آتا تو "حبیب منزل" میں قیام فرماتا اور نواب صدر یار جنگ بہادر اُن کی خاطر مدارات اور مہمان نوازی میں کسی قسم کی کمی نہ فرماتے۔ جب شروانی صاحب حج کے لئے تشریف لے جانے لگے تو مولانا نے عرض کیا کہ نواب صاحب میں اس مبارک سفر میں آپ کے لئے کوئی مادی چیز تو پیش کرنے کی جرأت نہیں کر سکتا لیکن ایک کتاب خدمتِ اقدس میں حاضر کرنے کی سعادت حاصل کرنا چاہتا ہوں۔ یہ تھی کتاب "الحج"۔ مولانا کی اس تصنیف کو نواب صاحب نے بہت ہی پسند فرمایا۔

مولانا صاحب مرحوم نے جب سے دینیات کا شعبہ سنبھالا وہ ہر جمعہ کو بعد نماز تقریر کرتے اور ہر روز بعد نماز عصر کالج کی مسجد میں تفسیر قرآن کا درس دیا کرتے۔ جمعہ کی تقریر تو مولانا ابوبکر شیث صاحب کے ناظم دینیات مقرر ہو جانے پر بند کر دی تھی لیکن تفسیر قرآن کا درس تادمِ آخر جاری رہا۔ مولانا بعد نمازِ عصر مسجد کے وسطی دروازے پر سیڑھیوں کے نیچے تشریف فرما ہوتے اور اُن کے تینوں جانب طلبا بیٹھتے۔ حوض کے برابر مولانا کے بالمقابل کوئی سینیر طالب علم قرآن کی تلاوت کرتا اور مولانا اس کا ترجمہ و تفسیر بیان فرماتے۔ فضل الرحمٰن انصاری صاحب جو آجکل المرکز اسلامی کے سربراہ ہیں اور تبلیغ اسلام کے لئے بیرونِ کراچی جاتے رہتے ہیں تفسیر کلاس کے ہونہار طالب علم شمار کئے جاتے تھے۔ نواب صدر یار جنگ کو مولانا سے محبت کا اندازہ اُس وقت زیادہ شدت سے محسوس ہوا جب مولانا مرض الموت میں بسترِ علالت پر دراز تھے۔ نواب صاحب دن و رات میں کئی کئی بار آتے۔ مولانا کی مزاج پرسی فرماتے معالجین سے مشورہ کرتے جب مولانا موت و حیات کی کشمکش میں مبتلا ہوئے تو شروانی صاحب کی بے تابی دیکھی نہ جاتی تھی۔ بالآخر موت نے حیات پر فتح پائی اور مولانا اللہ کو پیارے ہو گئے۔ نواب صاحب اس صدمۂ جانکاہ کو برداشت نہ کر سکے اور اسہال میں مبتلا ہو گئے۔ پھر بھی نماز جنازہ پڑھانے کے لئے اپنی آمادگی کا اظہار فرمایا۔ پالکی کا انتظام کرایا لیکن اسہال کی زیادتی کے باعث قبرستان نہ پہونچ سکے۔ مولانا ابوبکر شیث صاحب ایک موذی اور مہلک مرض میں مبتلا تھے اس

نمازِ جنازہ مولوی محمد شفیع صاحب فرنگی محلی نے پڑھائی۔

مولانا مرحوم علاوہ کالج اور یونیورسٹی کے متعدد مقامات پر مواعظ حسنہ سے مستفیض فرماتے۔ لیکن بھر صرف دہلی میں خان بہادر سید بہاؤالدین صاحب کے یہاں اجمیر شریف میں بارہ ربیع الاول کو خواجہ غریب نواز کے آستانے پر اور الہ آباد میں ایک تمباکو کے تاجر صاحب کے یہاں ہر سال پابندی سے بیان فرماتے۔ ان کے وصال کے بعد خان بہادر سید بہاؤالدین کے بیحد اصرار پر کوچہ پنڈت دہلی میں نواب صاحب نے تقریر فرمائی اور بیان کرنے سے پہلے منتظمین سے دریافت کیا کہ مولانا صاحب کس جگہ اور کس طرح بیان کرتے تھے۔ چوکی بچھائی گئی اور نواب صاحب کو بتایا گیا کہ مولانا صاحب یہاں کھڑے ہو کر ذکرِ حبیب فرمایا کرتے تھے۔ شروانی صاحب آنکھوں میں آنسو بھر لائے اور کہا کہ میری مجال نہیں کہ اس جگہ چوکی پر کھڑے ہو کر بیان کر سکوں چنانچہ چوکی کے نیچے با ادب کھڑے ہو کر بیان کیا۔ اس محفل کے شرکا اب بھی موجود ہیں اور بیان کرتے ہیں کہ ایسی حال و قال کی محفل بہت ہی کم دیکھنے میں آئی اور شروانی صاحب و مولانا صاحب کی محبت و عقیدت اور احترام کا صحیح طور پر اندازہ اس وقت ہوا۔

اب نہ مولانا رہے اور نہ شروانی صاحب اور نہ وہ پاکیزہ محفلیں۔

"صحبتیں پچھلی سب اک افسانہ بن کر رہ گئیں"

دونوں بزرگ انسانیت۔ شرافت۔ صداقت۔ نفاست۔ فصاحت۔ بلاغت اور خطابت میں آپ اپنی مثال تھے۔ رفتار۔ گفتار اور کردار میں کوہِ وقار۔ علم دوستی۔ ادب نوازی۔ غریب پروری میں ہم آہنگی۔

خدا سے دعا ہے کہ مرحومین کو اپنے جوارِ رحمت میں جگہ عطا فرمائے۔ اور سید الطاف علی صاحب کو اُن کے کارنامۂ حیات کو اُجاگر کرنے کی توفیق دے۔ آمین۔

اہلِ پنجاب اور اُردو

"مجھے یہ معلوم کر کے بڑی حیرت ہوئی کہ لاہور میں اس تحریکِ اردو کی مخالفت کی جا رہی ہے۔ میں تو اب تک یہی سمجھے ہوئے تھا کہ اردو کی اس قسم کی تحریک کی حمایت اہلِ پنجاب خاص کر اہلِ لاہور کریں گے۔ اور پاکستان میں اردو پنجاب والوں ہی کے دم سے زندہ رہے گی۔ اور ترقی کرے گی۔ عجب بات ہے کہ پاکستان بننے سے پہلے اردو ان تمام علاقوں میں مقبول تھی جو اب پاکستان میں شامل ہیں اور اسے قومی زبان سمجھتے تھے۔ لیکن قیامِ پاکستان کے بعد سب سے اول مشرقی پاکستان سے مخالفت کی آواز آئی۔ اور اس کے بعد دوسرے صوبوں نے منحرف ہونا شروع کیا۔ باوجود اس کے اب بھی مجھے یقین ہے کہ مغربی پاکستان میں پنجاب ہی کی بدولت اسے فروغ ہوگا۔"

(مولوی عبدالحق بنام پروفیسر حمید احمد خاں